عطاء اللہ پالوی

سُود کا مسئلہ

جناب عطاء اللہ پالوی نے اس مقالے میں سود کے مسئلہ پر ایک نئے زاویۂ نظر سے بحث کی ہے اور ان کا استدلال یہ ہے کہ ربا کے معنی اضافے کے ہیں جو تجارت میں بھی موجود ہے اور سود خواری میں بھی۔ لوگوں نے عام طور پر سود لینے والوں اور سود کی اقسام کو تو پیش نظر رکھا ہے لیکن اس پر کسی نے غور نہیں کیا کہ قرآن نے کن لوگوں سے ربا لینا ممنوع قرار دیا ہے۔ فاضل مضمون نگار قرآنی سیاق و سباق پر غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اوّلاً تو ان لوگوں سے ربا لینا حرام ہے جو صدقات کے مستحق ہیں، ثانیاً یہ کہ جن لوگوں سے یہ ربا لیا جائے وہ کسی حالت میں بھی اصل رقم یعنی راس المال سے مقدار میں زیادہ نہ ہو۔

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ (لاہور) کے ترجمان رسالہ "ثقافت" بابت مارچ ۱۹۵۸ء میں محترم یعقوب شاہ صاحب سابق اڈیٹر جنرل پاکستان کا ایک طویل مضمون بعنوان "سود کے متعلق چند سوالات" شائع ہوا ہے۔ ادارہ نے یہ دعوت دی تھی کہ جو لوگ سنجیدہ خیالات پیش کرینگے اُن کے لئے "ثقافت" کے صفحات حاضر ہیں۔ میں نے انتظار کیا کہ شاید اہلِ علم و بصیرت اصحاب اس موضوع سے دلچسپی لیں اور اپنی رائے پیش کریں جو نہ صرف فاضل مقالہ نگار کے لئے بلکہ دیگر قارئینِ "ثقافت" کے ساتھ ساتھ میرے لئے بھی وجہ بصیرت ہو، مگر ہنوز کوئی دوسرا مقالہ سامنے نہیں آیا۔ لہٰذا اس بارے میں میری جو رائے ہے میں اُسے پیش کر رہا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ اربابِ بصیرت، بحث و جدال کے لئے نہیں بلکہ اس عنوان پر کوئی فیصلہ کن رائے لوگوں کے سامنے آجانے کے لئے اس موضوع پر اظہارِ خیال فرمائیں گے، آخر یہ مسئلہ کب تک لاینحل بنا رہے گا؟

فاضل مقالہ نگار نے اپنے مؤقر مقالہ میں تمہیداً بتایا ہے کہ کیوں انہوں نے یہ مقالہ سپردِ قلم کیا۔ فرماتے ہیں کہ:

> مندرجہ ذیل سطور کے تحریر کرنے پر مجھے جس چیز نے مجبور کیا ہے وہ یہ کہ میرا عمر بھر کا اثاثہ پراویڈنٹ فنڈ کی صورت میں تھا اور اُس میں ایک کثیر رقم سود کی شامل تھی۔ مجھے اب تک اس کا تسلی بخش جواب نہیں مل سکا کہ یہ رقم میرے لئے جائز ہے یا ممنوع؟ جن علماء کرام سے میں نے رجوع کیا اُن میں سے اکثر

نے اسے حرام کہا، لیکن ان میں سے دو نے، جن کا مجھے بڑا احترام ہے، اس کو جائز قرار دیا۔ ایک صاحب نے لکھ کر اور دوسرے صاحب نے زبانی۔ اس لئے میں نے اس مسئلے کے متعلق اردو انگریزی میں لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا، لیکن جو کتابیں میری نظر سے گزریں اُن سے میری تشفی نہیں ہوئی۔ فیصلہ طلب امر یہ ہے کہ آیا ہر قسم کا سود جو آج کل رائج ہے "ربا" کے تحت آتا ہے اور اس کے قرآنی احکام کے مطابق حرام ہے یا اس کی کچھ ایسی صورتیں بھی ہیں جن پر "ربا" کا اطلاق نہیں ہوتا اور جن سے مسلمان بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں؟ باوجود کافی تگ و دو کے میں اس سوال کا تشفی بخش جواب دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

اس کے بعد اُنہوں نے اس موضوع پر سیر حاصل بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ چونکہ لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ الربوا سے وہ خاص قسم کا سود مراد ہے جو عہدِ نزول قرآن میں اہلِ عرب کے یہاں رائج تھا۔ اس لئے محترم مقالہ نگار نے تاریخ سے پتہ چلانے کی کوشش کی کہ وہ کون کون سی قسم تھی؟ مگر باوجود کوشش کے اُنہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عرب جاہلیت میں "ربوا" کے اصطلاحی معنی کیا کیا تھے؟ اور تجارتی قرضوں پر بھی سود لیا جاتا تھا یا نہیں؟ اس کے بعد اُنہوں نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ:

"میں یہ گذارش پیش کرنے کی جرأت کرتا ہوں کہ جب تک اس کا ثبوت نہ مل جائے کہ ایامِ جاہلیت میں نفع آور کاموں کے لئے بھی سود پر قرض لیا جاتا تھا، ہمیں "الربوا" کو حاجت مندانہ اور صرفی قرضوں تک ہی محدود رکھنا چاہیئے اور صرف گمان کی بنا پر سود کی اور صورتوں کو حرام کر لینے کی تنگی میں نہ پھنسنا چاہیئے.....

اللہ تعالےٰ نے جو بڑھوتری حرام قرار دی تھی وہ "وہ تھی جس کو اُس وقت "الربوا" کہتے تھے۔ اگر عربوں میں یہ نام اُن دنوں ایسی بڑھوتری کے لئے ہی استعمال ہوتا تھا تو ہمیں کیا اختیار ہے کہ اُس کو اس سے زیادہ وسیع معنی دیں اور ایسے قرضوں کی بڑھوتری کو بھی اُس میں شامل کر لیں جن میں حاجت مندانہ اور صرفی قرضوں کی خرابیاں نہیں پائی جاتیں۔ صرف نام سے تو حُرمت کا اطلاق ہو نہیں جاتا۔ اگر کسی شربت کو شراب کہدیا جائے تو وہ حرام تو نہ ہو جائے گا جب تک اُس میں نشہ لانے والی ضرر رساں صفت موجود نہ ہو۔ اسی طرح کسی سود کو جس میں وہ نقائص نہ پائے جاتے ہوں جو حاجت مندانہ اور صرفی قرضوں کے سود میں موجود ہیں ربوا نہ کہنا چاہیئے۔"

آخر میں اُنہوں نے لکھا ہے کہ:

"جو نظریہ گذشتہ سطور میں آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے اُس کی بنا اس پر ہے کہ عرب جاہلیت میں نفع آور کاموں کے لئے سود پر قرض نہ لیا جاتا تھا۔ لیکن مجھے اپنی کم علمی کا پورا احساس ہے۔ میں نے پوری ایمانداری کے ساتھ اس بات کو معلوم کرنے کی کوشش کی ہے کہ آیا اُن دنوں ایسے قرض رائج تھے۔ لیکن مجھے اس کے ثبوت میں کوئی معتبر روایت نہیں مل سکی۔ اگر کسی صاحب کو کوئی ایسا قابلِ اعتبار حوالہ معلوم ہو جس سے اس

مفروضہ کی صحت پر حرف آسکے تو ازراہ کرم اس سے مطلع فرما کر میری رہنمائی فرمائیں۔"

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ کیا قرآن اس کا محتاج ہے کہ جب تک نزول قرآن کے وقت کی یا اس سے پہلے کی بالفاظ دیگر ایام جاہلیت کی تاریخ عرب ہمارے سامنے نہ ہو اُس کے احکام سمجھے ہی نہیں جاسکتے؟ کہا جاتا ہے کہ قرآن ساری دنیا کے لئے اور قیامت تک کے لئے آخری قانونِ الٰہی بن کر نازل ہوا ہے نہ کہ چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے اہل عرب کے لئے اگر واقعی ایسا ہے تو اللہ تعالےٰ پر تو یہ حقیقت ظاہر و آشکارا تھی کہ عربوں کے رسم و رواج، معاشرت و معاملات اور لین دین کی تاریخ پہلے سے مرتب و مدون نہیں اور نہ نزولِ قرآن کے بعد صدیوں مرتب و مدون ہوگی اور بعد میں جتنی بھی ہوگی بھی وہ نہ تو مکمل اور مستند ہوگی اور نہ وہ قرآن کے ساتھ ساتھ ساری دنیا میں پہنچے گی۔ پھر اُس نے ربوٰا کے سے اہم دینی و دنیوی مسئلے سے متعلق یہ کیسے احکام نازل کئے کہ جب تک عربوں کے سودی لین دین کی پوری مستند تاریخ دنیا کو معلوم نہ ہو جس کا کوئی امکان ہی نہیں اُس وقت تک ربوٰا والی آئتیں سمجھی ہی نہیں جاسکتیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال اس طرح کی کوئی روایت مل بھی جائے جس سے ظاہر ہو کہ اُس وقت تجارتی ضرورت کے لئے بھی سودی قرض لیا جاتا تھا تو کیا اس صورت میں ربوٰا مطلقاً حرام ہو کر رہ جائے گا؟ اور فاضل مقالہ نگار اپنی رائے بدل دینگے اگرچہ وہ کچھ قرآن سے نہ بھی ثابت ہو؟

ہمارا خیال یہ ہے کہ اگرچہ احکام قرآنی اُس وقت کے عرب کے حالات و واقعات اور ضرورت کے مواقع ہی پر نازل ہوئے مگر اس معجزانہ جامعیت کے ساتھ آیات نازل ہوئیں کہ جب اور جہاں ضرورت پیش آئے وہ بلا کمی و کوتاہی اور بلا قید زمان و مکان بڑی عمومیت کے ساتھ منطبق ہو سکیں اور غیر قرآنی سہارے کا محتاج نہ رہیں۔ لہٰذا ہمیں سارے لٹریچر کو کیونکہ وہ شک و ریب سے ہرگز پاک نہیں، چھوڑ کر اللہ تعالےٰ کی مرضی معلوم کرنے کے لئے صرف بے شک و ریب قرآنی آیات کو غور و فکر، تلاش و جستجو اور اخذ و استنباط کا عنوان بنانا چاہیئے اور چونکہ قرآن مکمل طور پر نوعِ انسانی کی ہر ہر طرح کی فلاح و بہبود کے لئے، ہر زمانہ، ہر دور اور ہر ملک کی ہر حالت کی ضرورتوں اور تقاضوں کی جامعیت لئے ہوئے رہنما بن کر آیا ہے۔ اس لئے یہ ہو نہیں سکتا کہ وہ کسی متلاشی کو کسی اہم معاملے میں صحیح راستہ بتانے سے قاصر و عاجز رہے۔ تلاش و جستجو اور غور و فکر سے مرضیٔ الٰہی آشکارا اور ظاہر ہو کے رہے گی۔

"ربوٰا" کے سلسلے میں انسانی رائوں پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ہمارے یہاں صرف الفاظ سے کھیلا جاتا ہے، حالانکہ ہر قانون بنانے کا کچھ مقصد و منشا ہوتا ہے اور تمام قوانین کی کچھ غایت یا روح ہوتی ہے، اور اس کے سلسلے کے سارے الفاظ کا کچھ مقصد ہوتا ہے محض الفاظ بازی نہیں ہوتی۔ آج ہمارے یہاں ایک شخص قرآن بیچتا اور دوسرا خریدتا ہے مگر دونوں قیمت کا لفظ نہیں بولتے بلکہ لفظ ہدیہ استعمال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس طور سے وہ قیمت، قیمت نہ رہی۔ وجہ اس کی یہ بتاتے ہیں کہ بھلا قرآن کی قیمت کون دے سکتا ہے اس لئے ہدیہ کہا جاتا ہے۔

یہ سوائے چکمہ بازی کے اور کیا ہے؟ جو شخص بھی کوئی کتاب خریدتا اور اُس کی قیمت ادا کرتا ہے وہ نہ تو مصنف کے دماغ کی قیمت دیتا ہے اور نہ کتاب کے متن کی، بلکہ وہ صرف اُس کتاب کی کتابت، طباعت، کاغذ، روشنائی اور جلد کی قیمت دیتا ہے۔ پھر قرآن کی خرید و فروخت میں قرآن کے متن کا کیا سروکار کہ اُس کے لئے غلط لفظ ہدیہ بولا جائے، جبکہ ہدیہ نام ہے بلاقیمت تحفۃً کسی کو کوئی چیز دینے کا؟ بالکل یہی حال ہمارے یہاں ربوٰا کا ہے کہ جس چیز کو "سود" کہہ دیجئے وہ فوراً حرام قرار پا جاتا ہے، چاہے وہ کسی جائز طریقے سے بھی حاصل ہوا ور جس کو "منافعہ" کہہ دیجئے وہ بالکل حلال سمجھا جاتا ہے چاہے وہ کتنے ہی ناجائز طریقے پر وہ وصول کیا گیا ہو حالانکہ "ربوٰا" کے معنی صرف "بڑھوتری" کے ہیں اور اس کا اطلاق "منافعہ" پر بھی ہو سکتا ہے جو عربی ہے اور "سود" پر بھی جو فارسی ہے اور منافعہ ہو یا سود، زمانہ کے انقلاب اور معاشی و تمدنی حالات کی صورتیں بدل جانے کے سبب اُس کی مختلف قسمیں اور شکلیں ہو گئی ہیں۔ لہٰذا محض نام سے واقعی کچھ نہیں ہوتا۔ کیونکہ عربی میں جو منافع کے معنی ہیں وہی فارسی میں سود کے ہیں۔ ایسی صورت میں ضرورت اس کی ہے کہ اُس اسپرٹ یا روح اور غایت و مقصد کو سمجھا جائے جو "ربوٰا" کی ممانعت میں پنہاں ہے اور اُن آیات و احکام پر غور کیا جائے جو اس سلسلے میں قرآن میں وارد ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا ربوٰا فی نفسہٖ ممنوع ہے یا کسی خاص محل اور موقع پر ممنوع قرار دیا گیا ہے؟ فی نفسہٖ کسی چیز کا ہمیشہ کے لئے ممنوع یا جائز ہونا اور بات ہے اور کسی شے کا مختلف حالتوں میں حرام یا حلال ہونا اور بات ہے اور کسی شے کا مختلف حالتوں میں حرام یا حلال ہونا بالکل دوسری چیز ہے۔ لہٰذا نہ تو نام کی تبدیلی سے ماہیت بدل سکتی ہے اور نہ شکل کی یکسانی سے اسپرٹ ختم ہو سکتی ہے۔ اب آیئے خود قرآن میں غور کیا جائے کہ "ربوٰا" کے سلسلے میں کون کون سی آیتیں قرآن میں وارد ہیں اور اُن سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

خود محترم مقالہ نگار نے بتایا ہے کہ قرآن میں چار مقامات پر ربوٰا کا ذکر ہے اور وہ چاروں مقامات یہ ہیں:

(۱) سورۂ روم۔ رکوع ۴۔ $\frac{۳۰}{۳۹}$

(۲) سورۂ نساء۔ رکوع ۲۲۔ $\frac{۴}{۱۶۱}$

(۳) سورۂ آل عمران۔ رکوع ۱۴۔ $\frac{۳}{۱۳۰}$

(۴) سورۂ بقرہ۔ رکوع ۳۸ $\frac{۲}{۲۷۵-۲۷۹}$

سورۂ روم کی آیت یہ ہے:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ $\frac{۳۰}{۳۹}$

اور جو تم ربوٰا دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو خدا کے نزدیک اس سے افزائش نہیں ہوتی اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اُس سے خدا کی خوشنودی طلب کرتے ہو تو ایسے ہی لوگ دوگنا چوگنا کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں فی نفسہٖ ربوٰا کی علت و حرمت کا کوئی ذکر نہیں، نہ اس کا کہ کس سے ربوٰا نہیں لینا چاہئے۔ اس آیت میں زکوٰۃ اور ربوٰا دینے والوں سے خطاب ہے اور صرف یہ بیان ہے کہ ربوٰا سے مال نہیں بڑھتا بلکہ زکوٰۃ سے مال بڑھتا ہے۔ اس مقام پر جو اس سے پہلی آیت ہے اگرچہ اُس میں ربوٰا کا کوئی ذکر نہیں مگر وہ محض بے تعلق بھی نہیں وہ آیت یہ ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (۳۰/۳۸)

سو اہلِ قرابت کو اُن کا حق دیتے رہو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو یہ اُن کے حق میں بہتر ہے جو رضائے حق کے طالب ہوں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

اسلام نے باہمی محبت و ہمدردی اور سلوک و احسان کو سب سے بڑا فریضۂ انسانی قرار دیا ہے اسی لئے لاتعداد مقامات پر طرح طرح سے حُسنِ سلوک، امداد باہمی، حاجت روائی اور ایثار و قربانی کا حکم دیا ہے، تاکید کی ہے، ترغیب دی ہے، ڈرایا ہے، سمجھایا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کرو۔ اگر تم فارغ البال ہو تو ضرورت مندوں کی ضروریات پوری کرو تا آنکہ مومن کی جو سب سے بڑی تعریف کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ:

يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (۵۹/۹)

وہ ہمیشہ دوسروں کو اپنے پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود تنگی و مصیبت ہی میں کیوں نہ ہوں۔

یعنی مومن وہ ہے جو خود فائدہ اُٹھانے کے بجائے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا خیال رکھے اگرچہ اس کے سبب اُسے خود تکلیف ہی کیوں نہ اُٹھانی پڑے۔ یہ ایثار و قربانی کی انتہا ہے۔

دوسرا مقام ذکر ربوٰا کا سورۂ نساء کی آیت ہے جو دراصل مسلمانوں سے نہیں بلکہ یہودیوں سے متعلق ہے۔ اُن کی سزایابی کی وجوہ بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ:

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ (۴/۱۶۱)

اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے وہ ربوٰا لیتے ہی تھے اور اس لئے بھی کہ وہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے اور ان میں جو کافر ہیں اُن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس آیت میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں کہ کن لوگوں سے ربوٰا لینا ممنوع قرار پایا تھا صرف یہ بیان ہے، کہ یہودی ممانعت کے باوجود ممنوع سود لیتے تھے۔ اس سے یہ عبرت و بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ حکم کے خلاف کرنے والوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تیسرا مقام سورۂ آل عمران ہے جس میں بلاواسطہ مسلمانوں سے خطاب ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (۳/۱۳)

اے ایمان والو! دوگنا تگنا ربوٰا نہ لو اور خدا سے ڈرو تاکہ ان میں سے ہو جاؤ جو فلاح پانے والے ہیں۔

اس آیت میں بھی فی نفسہٖ ربوٰا کی ممانعت نہیں بلکہ صرف دو چند سہ چند ربوٰا لینے کی ممانعت ہے۔ اس سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں ایک یہ کہ ربوٰا کی رقم راس المال سے بڑھنی نہ چاہیئے۔ دوسرے ربوٰا کی رقم پر مزید ربوٰا ممنوع ہے۔ اس میں بھی یہ ذکر نہیں کہ کن سے ربوٰا لیا جائے اور کن سے نہیں لینا چاہیئے۔

چوتھا مقام سورۂ بقرہ کی آیات ہیں اور میری دانست میں یہی آیات دراصل "ربوٰا" کے سلسلے کی تمام تفصیلات کی حامل ہیں۔ سورۂ بقرہ کی ہی آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ربوٰا کے قانون میں کون سا جذبہ کام کر رہا ہے یعنی لجسلیشن کا انٹنشن کیا ہے؟ اور اُسی کی ایک آیت سے یہ بھی صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ربوٰا کن لوگوں سے لینا ممنوع ہے۔ مگر قبل اس کے کہ سورۂ بقرہ کی وہ آیات پیش کی جائیں تمہیداً چند الفاظ سن لیجیے۔

ربوٰا والی زیر بحث آیتیں سورۂ بقرہ کے اڑتیسویں رکوع کی دوسری آیت سے شروع ہوتی ہیں۔ اس رکوع سے پہلے کے دو رکوع یعنی چھتیسویں اور سینتیسویں رکوع کو (۳۶/۲۶۴-۲۶۶) پڑھ لیجیے۔ ان میں یہاں سے وہاں تک سوائے انفاق و صدقہ یعنی فی سبیل اللہ خرچ یا خیر خیرات بالفاظِ دیگر ضرورت مندوں کی امداد اور غریبوں، ناداروں، پریشاں حالوں اور مفلسوں کی حاجت روائی کی فضیلت، ترغیب، تحریص اور حکم کے دوسری کوئی چیز بیان نہیں ہوئی ہے۔ اسی سلسلے میں یہ بھی ہے کہ جن پر احسان کرو اُن پر احسان مت دھرو۔ جن کی امداد کرو اُن کو طعنے نہ دو، جن کی حاجت روائی کرو اُن کی دل آزاری نہ کرو۔ ان تمہیدوں کے بعد اڑتیسواں رکوع شروع ہوتا ہے جس میں ربوٰا کا ذکر ہے اور اس رکوع کی بھی سب سے پہلی آیت (۲/۲۷۴) یہ ہے:

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

جو لوگ اپنا مال رات اور دن میں پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں اُن کا صلہ اُن کے پروردگار کے پاس محفوظ ہے اور اُن کو نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اس کے بعد ربوٰا کے سلسلے کی آیت یوں شروع ہوتی ہے:

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَوا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَوا ۗ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَوا ۚ فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَنْ

جو لوگ ربوٰا کھاتے ہیں وہ اس طرح اُٹھیں گے جیسے کسی کو شیطان نے لپٹ کر مجنوط بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو ویسا ہی ہے جیسا ربوٰا اور بیع کو اللہ نے حلال کیا ہے تو ربوٰا حرام کیوں؟ تو جس شخص کے پاس خدا کی نصیحت پہنچی اور وہ باز آگیا تو جو پہلے ہو چکا وہ ہو چکا، اب وہ اُس کا ہے اور اُس کا معاملہ اللہ

عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (۲/۲۷۵)

کے سپرد ہے اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔

اس کے بعد ہے کہ :

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ (۲/۲۷۶)

اللہ ربوٰا کو نابود کرتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔

اب تک جتنی آئتیں پیش ہوئی ہیں اُن میں کہیں بھی فی نفسہٖ ربوٰا کی حرمت کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ کہیں ممنوع ربوٰا سے اضافۂ راس المال کے خیال کی تردید کی ہے کہیں یہ حکم ہے کہ دوگنا تگنا ربوٰا مت لو اور کہیں ممنوع ربوٰا لینے والوں کی سزا ہی کے ذکر کے ساتھ ساتھ اُن کی جانب سے کی جانے والی تاویل کا ذکر ہے۔ اور یہیں پر ایک جملہ ایسا ہے جس سے فی نفسہٖ ربوٰا کو حرام سمجھا اور بتایا جاتا ہے۔ یہ جملہ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ہے جس کو اللہ تعالےٰ کا حکم تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہرچند کہ واقعتاً ایسا نہیں ہے یعنی میرے نزدیک یہ خدا کا حکم نہیں بلکہ تاویل کرنے والوں ہی کے قول کا ایک ٹکڑا ہے اور میں اس کے بارے میں آگے عرض کروں گا، اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ اللہ تعالےٰ کا ہی حکم ہے تو بھی اس سے فی نفسہٖ ربوٰا حرام نہیں قرار پاتا کیونکہ یہاں جس بیع کے حلال اور ربوٰا کے حرام ہونے کا ذکر ہے وہ عام نہیں بلکہ خاص ضرورت مند جماعت سے متعلق ہے جیسا کہ میں آگے عرض کروں گا۔

سب سے پہلے آیئے غور کیا جائے کہ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا خدا کا حکم ہے یا تاویل کرنے والوں کے قول کا ٹکڑا؟ سو میرا خیال یہ ہے کہ اس پر پوری سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا ورنہ صاف ظاہر ہو جاتا کہ یہ خدا کا حکم نہیں۔ سب سے پہلے محلِ وقوع کو دیکھئے اگر واقعی یہ حکم اللہ تعالےٰ کا ہوتا تو وہیں نہ ہوتا جہاں بلاواسطہ مسلمانوں کو خطاب کرکے دوگنا تگنا ربوٰا لینے سے منع کیا گیا ہے کہ بات واضح اور صاف رہتی؟ یہ ایسی جگہ کیوں آیا جہاں دوسروں کا قول نقل ہو رہا ہے اور جس میں شک و ریب یا اشتباہ کی پوری گنجائش ہے؟ دوسرے اس پر بھی غور فرمائیے کہ تاویل کرنے والوں کی پوری بات یا تاویل دونوں ٹکڑوں کو ملانے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ ان دونوں جملوں کو الگ الگ کر دیجئے تو مطلقاً بات صاف نہیں ہوتی کہ تاویل کرنے والوں کا مطلب کیا تھا؟ تیسرے یہ اللہ تعالےٰ کے حکموں کے اندازِ بیان کے بھی خلاف ہے۔ دیکھئے جب اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کے لئے تجارت کو حلال اور باطل مال کو حرام قرار دیا ہے تو کیا اندازِ بیان اختیار کیا ہے۔ فرمایا ہے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ۔ (۴/۲۹)

اے مسلمانو! تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھانا مگر ہاں یہ کہ تم لوگ آپس میں تجارتی کاروبار کرو۔

بھلا معمولی بات کو تو یوں واضح انداز بیان کے ساتھ مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا گیا مگر ربوٰا کی حرمت جیسے اہم مسئلے کو اس طرح بیان کیا گیا جیسے عندالتذکرہ کوئی ایسی چیز کے بارے میں ذکر کیا جاتا ہے جو پہلے واضح طور پر مذکور ہو چکی ہو؛ حلت و حرمت کے سلسلے میں یہ اندازِ بیان قرآن کا اور کہیں نہیں۔ چوتھے یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالےٰ بیع کو حلال قرار دے اور بڑھوتری کو حرام، کیونکہ بڑھوتری جزو لاینفک ہے بیع کا۔ تجارت کا دار مدار بیع پر ہے اور بیع کا انحصار بڑھوتری پر، ورنہ پھر جتنے میں خریدا اتنے ہی میں بیچو تو تجارت کا فائدہ؟ اس زحمت کشی کا حاصل؟ چنانچہ خود اللہ تعالےٰ نے تجارت اور بیع کا ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ (۲۴/۳۷) لوگ جنہیں تجارت اور بیع اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی۔

لہٰذا یہ ٹکڑا ہرگز اللہ تعالےٰ کا حکم نہیں بلکہ دراصل تاویل کرنے والوں کے قول ہی کا دوسرا مربوط ٹکڑا ہے اور مطلب صاف ہے کہ جن لوگوں کو منع کیا جاتا ہے کہ تم لوگ ضرورت مندوں کو قرض دو تو اُن سے اُس پر کوئی بڑھوتری نہ لو تو وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ عجیب حکم ہے کہ جن لوگوں سے ہم کو ربوٰا لینے کو منع کیا جاتا ہے اگر ہم ان کے ساتھ بیع کا معاملہ کریں اور اُس میں جو بڑھوتری ہو وہ جائز و حلال قرار پائے تو یہ کیا بات ہوئی کہ ان ہی کو ہم کوئی رقم قرض دیں تو اُس پر اُن سے کوئی بڑھوتری نہ لیں؛ آخر بیع بھی تو ربوٰا ہی کے مثل ہے، جس طرح اُس میں بڑھوتری ہے اُسی طرح اس میں بھی۔ پھر یہ کیا تماشا ہے کہ اللہ نے اُن ضرورت مندوں کے بیع کے معاملے کو تو حلال قرار دیا ہے اور ربوٰا کو حرام؟

ربوٰا کے سلسلے میں تاویل کرنے والوں کے قول کے دونوں ٹکڑوں کو الگ الگ کر کے ایک کو انسانی قول اور دوسرے کو قرآنی حکم قرار دے دینا کچھ بہت زیادہ تعجب خیز نہیں۔ قرآن نے عزیز مصر کا ایک قول نقل کیا ہے کہ اُس نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ:

اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ۔ (۱۲/۲۸) بے شک یہ تمہارے ہی فریب میں سے ہے۔ تمہاری چالاکیاں ہوتی ہی غضب کی ہیں۔

لوگوں نے اس قول کے پہلے ٹکڑے کو عزیز مصر کا قول اور دوسرے ٹکڑے کو قرآنی فیصلہ بنا دیا چنانچہ مولانا آزاد کو کہنا پڑا کہ:

"افسوس ہے کہ لوگوں نے اس مقولہ کا اسی طرح استعمال شروع کر دیا گویا عورتوں کے جنسی اخلاق کیلئے یہ قرآن کا فیصلہ ہے..... چنانچہ ہمارے مفسرین نے اس کا ایسا ہی مطلب قرار دیا ہے اور پھر حسبِ عادت وجوہ و مباحث کی دور دراز وادیوں میں گم ہو گئے ہیں..... حالانکہ نہ تو قرآن کا یہ حکم ہے اور نہ عزیز

کا قول ہی ایسے محل میں ہے کہ اطلاق وعموم کے سوالات پیدا ہوں۔"

اسی طرح اسی سورۂ یوسف میں آیت نمبر ۵۱ تا نمبر ۵۳ تک عزیز مصر کی بیوی کا وہ بیان نقل ہوا ہے جو اُس نے شاہی انکوائری کے وقت یوسف کی غیر حاضری میں (کیونکہ وہ اُس وقت جیل میں تھے) فرعون مصر کے سامنے دیا تھا مگر لوگوں نے آیت نمبر ۵۱ کو تو عزیز مصر کی بیوی کا قول کہا اور آیت نمبر ۵۲ اور نمبر ۵۳ کی باتوں کو یوسف کا قول قرار دے دیا۔ حالانکہ اس کا کیا محل جبکہ وہ اُس وقت جیل میں تھے اور یہاں اُن کی غیر حاضری میں فرعون کے سامنے مصر کی عورتوں کے بیانات ہورہے تھے؟ بالکل اسی طرح ربٰوا کے سلسلے میں بھی ہوا کہ تاویل کرنے والوں کے قول کو دو ٹکڑے کرکے ایک کو انسانی قول اور دوسرے کو قرآنی حکم بنادیا گیا ہے حالانکہ نہ تو قرآن کا یہ حکم ہے اور نہ تاویلات کرنے والوں کا قول ہی ایسے محل میں ہے کہ اطلاق وعموم کے سوالات پیدا ہوں۔ دراصل یہ تاویل کرنے والوں کے قول ہی کا ٹکڑا ہے اور اس کا تعلق بھی حاجتمندوں کے قرضوں سے ہے۔ لہٰذا اسے فی نفسہٖ حرمتِ ربٰوا کے ثبوت میں پیش کرنا صحیح نہیں۔ قرآن کہیں بھی فی نفسہٖ بڑھوتری کو ہرگز ممنوع قرار نہیں دیتا۔ اس مقام پر قرآن صرف یہ بیان کرتا ہے کہ ممنوع ربٰوا لینے میں لوگوں کی یہ تاویل ہوتی ہے جو لچر ہے اور پھر کہتا ہے کہ پہلے جو ہو ہوچکا سو ہوچکا خدا کی طرف سے نصیحت پہنچنے پر آیندہ ایسا نہ ہونا چاہئے اور جو اس کے خلاف کرے گا وہ سزایاب ہوگا۔

اس کے بعد مسلمانوں کو قانونِ الٰہی اور مرضیٔ ایزدی بتایا جاتا ہے کہ کن لوگوں سے بڑھوتری لینا ممنوع ہے کہتا ہے کہ جہاں جن لوگوں کو اُن کی ضرورت مندی کے سبب امداد (صدقہ) ملتا ہے اگر وہ لوگ مزید اپنی ضروریات کے لئے قرض لیں تو اُن سے کوئی بڑھوتری نہ لی جائے۔ جب صدقہ کو بڑھانے اور ربٰوا کے نابود ہونے کا ذکر کیا گیا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جہاں امدادی موقع ہوگا وہاں ربٰوا نابود ہوگا۔ اور امداد (صدقہ) کا سوال وہیں اور تب ہی پیدا ہوگا جہاں اور جب زندگی کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کا مسئلہ آئے۔ اس طور پر صاف ظاہر ہے کہ جو افراد ایسے ضرورت مند اور مفلوک الحال یا پریشان وقابلِ امداد ہوں کہ وہ صدقہ کے مستحق ہوں اور صدقہ کے ذریعہ اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہوں وہ اگر مزید ضرورتوں کے لئے کوئی رقم بطور قرض لیں تو اُس رقم پر اُن سے کوئی ربٰوا نہیں لینا ہوگا کیونکہ یہ ربٰوا لینا اسلام کی اس تعلیم وتاکید کے یکسر خلاف پڑتا ہے جس میں قرآنی نظام متشکل نہ ہوتے تک انسانی ہمدردی واُخوتِ اسلامی کی بنا پر ضرورتمندوں کی حاجت روائی وامداد کو ہر خاص وعام پر فرض قرار دیا گیا ہے۔ اسی لئے آگے کہا گیا کہ ایسے ناشکرے گنہ گار کو اللہ دوست نہیں رکھتا۔ یعنی جو شخص اللہ کے فضل سے ایسا فارغ البال ہے کہ وہ ضرورت مندوں کی امداد کے لئے آنہیں خدا کی خوشنودی کے پیش نظر صدقہ دیتا ہے پھر وہ اُن ہی افراد کو جو رقم قرض دیتا ہے اور اُس کو ربٰوا کے ذریعہ بڑھانے کا بھی خیال رکھتا ہے تو اُس سے بڑا ناشکرا اور گنہ گار کون ہوگا؟ چنانچہ پھر آگے کہا گیا ہے کہ:

(۱) یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ — اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور اگر مومن ہو تو جتنا ربٰوا

مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ (۲/۲۷۸)

اُن کے ذمہ باقی رہ گیا ہے اُس کو چھوڑ دو۔

(۲) وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۔ (۲/۲۷۹)

اور اگر توبہ کرلوگے اور ربٰوا چھوڑ دوگے تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ دوسروں کا نقصان ہے اور نہ تمہارا۔

(۳) وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (۲/۲۸۰)

اور اگر مقروض پریشان حال ہو تو کشائش تک اُس کو اصل رقم کی واپسی کے لئے مہلت دو اور اگر وہ اصل رقم بھی اُس کو بخش دو تو پھر کیا کہنے ہیں، کاش تم اس کے فوائد سمجھ سکتے۔

صدقہ کی تعریف کیا ہے؟ صدقہ وہ رقم ہے جو خدا کی خوشنودی کے لئے بلا کسی معاوضہ کے امداداً کسی ضرورتمند کو خوشی سے دی جائے۔ خود قرآن نے تَصَدَّقُوْا کہہ کے ظاہر کردیا ہے کہ صدقہ سے مراد بخوشی بخشش کی ہوئی رقم ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ صدقہ کن کا حق ہے؟ سو یہ بھی قرآن میں بیان کردیا گیا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ (۹/۶۰)

صدقات تو حق ہے فقراء کا، مساکین کا اور عاملین صدقات کا اور اُن کا جن کی تالیف قلب منظور ہو اور یہ خرچ ہونا چاہئے غلاموں کو آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے قرضوں کی ادائیگی میں اور فی سبیل اللہ کاموں میں اور اس میں مسافروں کا بھی حق ہے، یہ مدیں اللہ نے مقرر کردی ہیں اور اللہ علیم وحکیم ہے۔

اب غور فرمائیے کہ مستحقین صدقہ وہ ہیں جو اپنی ضرورتوں اور پریشانیوں کے سبب ہر طرح مالی امداد و اعانت کے محتاج ہیں۔ اور انتہائی تاکید و ترغیب اس امر کی ہے کہ اُن کی ہر طرح امداد کرو اور اس طرح کرو کہ اپنی ضرورتوں پر اُن کی ضرورتوں کو ترجیح دو، اُن کی حاجت روائی کو انسانی اور اسلامی فریضہ تصوّر کرو، اُن کو قرض دو، اور جب تک وہ فارغ البال نہ ہولیں قرض کی وصولی کے لئے انتظار کرو، اُن سے مطالبہ نہ کرو بلکہ اُن کی خراب حالت اور مجبوریوں کے سبب ہو سکے تو وہ قرضوں کی رقم بھی اُن کو معاف کردو۔ اُن پر تصدّق کردو اور وہاں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالےٰ ربٰوا کو نابود کرتا ہے اور صدقہ کو بڑھاتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ربٰوا کی ممانعت ضرورت مند افراد سے ہے اور یہ حکم صرف حاجت مند مقروضوں کے بارے میں ہے۔ اس لئے کہ یہ انسانی ہمدردی اور اسلامی جذبۂ اخوت کے منافی ہے کہ جو لوگ ہماری امداد و بخشش (صدقہ) کے مستحق ہیں وہی لوگ اگر ہم سے کوئی رقم قرض لیں تو ہم اُن سے ربٰوا لیں اور وہ مزید پریشانیوں میں مبتلا ہو جائیں۔ ہوشیار لوگوں نے "ربٰوا" کو "سود" بنادیا اس سے یہ فائدہ ہوا کہ "سود" کے نام سے کوئی رقم نہ لے کر دوسرے ناموں سے مثلاً "منافعہ" یا "کرایہ" کہہ کے اُن سے بھی مزید رقم وصول کرکے "بڑھوتری" کو جاری رکھنے اور اعتراض ہونے پر تاویل کرنے کا موقع

نکل آئے کہ وہ تو "سود" نہیں جو حرام ہے، وہ تو "منافعہ" یا "کرایہ" ہے جو حلال ہے۔ گویا حلال و حرام کا تعلق لفظ سے ہے معنی سے نہیں۔ اصطلاح سے ہے روح سے نہیں۔

بہرکیف! میرے نزدیک "الربوا" سے وہ خاص قسم کا نامعلوم سود نہیں ہے جس کا رواج ایامِ جاہلیت میں عربوں میں تھا اور جس کا ذکر قرآن میں نہیں جو ہربات کو بتفصیل بیان کرنے کا دعویدار ہے بلکہ اس سے مراد صرف وہ "بڑھوتری" ہے جو کبھی کہیں کسی حاجت مند اور مستحق امداد شخص کو کوئی رقم قرض یا مکان کرایہ دے کر اُس سے وصول کیا جائے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ربوٰا کے نابود اور صدقہ کے افزود والی آیت سے پہلے تمہیداً مستقلاً دو لمبے لمبے رکوع میں خیرات و امداد اور بخشش و حاجت روائی کے بارے میں اس قدر صراحت سے تاکید و ترغیب وارد نہ ہوتی اور نہ اس کے بعد نہ صرف اُن کو باقی ربوٰا کی رقم چھوڑ دینے بلکہ اصل راس المال کی ادائیگی کے لئے اُن کو کشائش کے زمانہ تک لامحدود مہلت دینے بلکہ اصل رقم تک بخش دینے کی تاکید کی جاتی۔ لہٰذا ربوٰا کی ممانعت فی نفسہ نہیں کہ جہاں بھی بڑھوتری ظاہر ہو وہ حرام ہو جائے اور نہ ربوٰا کی کوئی خاص قسم ہے بلکہ ربوٰا کی چاہے اُس کی نوعیت جو بھی ہو ممانعت صرف اُن سے ہے جو اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لئے قرض لیں اور اس کی جامع تعریف یہ کی گئی کہ جو لوگ مستحق صدقہ یعنی محتاج امداد ہوں اُن کے مقابلے اور معاملے میں ربوٰا نابود ہو جاتا ہے اور صدقہ بڑھ جاتا ہے۔ یعنی وہاں اُن کے معاملے میں انسانی جذبہ یہ ہونا چاہئے کہ بجائے اُن سے فائدہ اُٹھانے کے جتنا ہو سکے اُن ہی کو فائدہ پہنچایا جائے۔ اُن سے کچھ وصول کرنے کے بجائے اُن ہی کو کچھ دینا چاہئے۔ چنانچہ اسی لئے اس قانون کے ذکر سے پہلے یہ بیان بھی کر دیا گیا کہ کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ "بیع" بھی تو "ربوٰا" ہی کی طرح ہے پھر یہ کیا کہ اللہ نے اُن کے ساتھ "بیع" کو تو حلال قرار دیا اور "ربوٰا" کو حرام؟ یعنی حاجت مندوں سے ربوٰا لینے والوں کا کہنا تھا کہ ایسے ضرورت مند لوگ اگر ہم سے خرید و فروخت کریں اور ہم کو حق حاصل ہے کہ اپنے منافعہ کے ساتھ ہم اُن کے ساتھ بیع کا معاملہ کریں اور اس صورت میں جو "بڑھوتری" ہو تو کوئی حرج نہ ہو لیکن اگر ہم اُن کو کوئی رقم بطور قرض دیں تو اُس پر بڑھوتری لینا حرام ہو جائے، یہ کیا بات ہوئی؟ جب اُن سے بیع جائز ہے تو ربوٰا کیوں حرام ہو؟ یہ کیا مذاق ہے کہ اللہ نے اُن سے بیع کے معاملے کو تو حلال قرار دیا لیکن ربوٰا کو حرام کر دیا؟

بہرکیف! میرے نزدیک قرآن میں ربوٰا کو فی نفسہٖ کہیں بھی حرام نہیں قرار دیا گیا ہے اور نہ حرام قرار دیا جا سکتا تھا اس لئے کہ قرآن قیامت تک کے لئے ہے اور ہر ملک کے لئے ایک جامع ضابطۂ حیات اور اُصولی رہنما بن کر آیا ہے جو ہر زمانہ کے سارے تقاضوں میں ہر ملک کے مسلمانوں کی رہنمائی کرے گا، نہ کہ وہ صرف چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی کے عربوں کا قانون زندگی بن کر نازل ہوا ہے کہ محض اُن کے معاملات ہی کی رہنمائی کا

حامل ہو۔ اور نہ صرف وہاں کے لئے اور اُس وقت کے لئے قرآن نازل ہوا ہے جہاں اور جبکہ قرآنی نظام متشکل اور رائج ہو۔ بلکہ قرآن ہر زمانہ اور ہر ملک میں انسانی جذبۂ ہمدردی اور اُخوّت اسلامی کے پیشِ نظر صرف اُس "بڑھوتری" کو ممنوع قرار دیتا ہے جو ضرورتمندوں، پریشان حالوں اور مستحق امداد لوگوں کو دیئے ہوئے قرضوں پر وصول کیا جائے اور یہ مسئلہ قرآن نے بوضاحت بیان کر دیا ہے ان کے علاوہ دوسری جگہوں اور دوسرے افراد و جماعت سے ربوٰا لینا حرام نہیں، چاہے وہ قرض لینے والے حکومت کے محکمے ہوں یا تجارت پیشہ افراد خواہ جماعت۔

جہاں تک کہ محترم مقالہ نگار کے اس ذاتی مسئلے کا تعلق ہے کہ اُن کے پراویڈنٹ فنڈ میں ایک کثیر رقم Interest کی بھی ہے، میرے خیال میں اُنہیں اس مخمصہ میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی۔ Interest کا ترجمہ فارسی میں کیجئے تو بلاشبہ "سود" ہوگا جس کا اطلاق ہمارے یہاں ممنوع فائدہ پر ہوتا ہے۔ مگر اسے عربی میں ترجمہ کیجئے تو منافعہ، فائدہ، عائدہ، منفعت وغیرہ ہی ہوگا۔ اور اگر خود انگریزی زبان کو لیجئے تو یہ لفظ عام ہے لین دین ہی نہیں دوسرے معاملات میں بھی یہ فائدہ کے معنی میں مستعمل ہے۔ پھر وہ حرام کیوں ہو؟ اس لئے کہ اوّل تو قرآن میں کہیں فی نفسہٖ ربوٰا ممنوع نہیں قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے "ربوٰا" کا فارسی میں ترجمہ "سود" کرنا سوائے چکمہ بازی کے اور کچھ نہیں۔ اس کا صحیح ترجمہ "بڑھوتری" ہے۔ اور ساری "بڑھوتری" ناجائز ہو ہی نہیں سکتی۔ اس طور پر تو مسلمانوں کے تجارت وصنعت کے سارے کاروبار ٹھپ ہو جائیں گے کیونکہ "بڑھوتری" سے کوئی چیز بھی خالی نہیں۔ غالباً اس کا ترجمہ عربی میں "منافعہ" کرنے کے بجائے فارسی میں "سود" اُن لوگوں نے کیا ہے جو غریبوں سے بھی "منافعہ" کے نام سے "بڑھوتری" لینے کو جائز بنانا چاہتے تھے۔ اور عربی میں ترجمہ کرنے سے اس کی گنجائش نہیں نکل سکتی تھی۔ تیسرے فاضل مقالہ نگار کے پراویڈنٹ فنڈ میں Interest کی جو رقم ہے وہ ملکی مروّجہ قانون کے مطابق ہے اور ملکی قانون کا احترام اور اُس پر عمل درآمد خود اروئے قرآن ازبس ضروری ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام وزیر اعظم مصر اور پیغمبر تھے اور مصری قانون جو اُن کے عہد میں رائج تھا وہ فرعونی قانون تھا۔ اُنہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کو اپنے پاس روک لینا چاہا تھا مگر زبردستی نہیں روک لیا تھا کیونکہ فرعونی قانون کے مطابق کسی غیر ملکی شخص کو بلا کسی جرم کے زبردستی مصر میں نہیں روکا جا سکتا تھا:

مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ ۔ (۱۲/۷۶) وہ وہاں کے بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو روک نہیں سکتے تھے۔

چنانچہ اُنہوں نے مروّجہ فرعونی قانون کا احترام کیا اور اپنے بھائی کے غلّہ کی بوری میں غلّہ ناپنے کا سرکاری پیمانہ رکھوا کے اُنہیں مجرم قرار دیا اور تب روکا۔

كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ ۔ اس طرح ہم نے یوسف کے لئے تدبیر کی۔

آج جو نظام عام طور سے ملک میں رائج ہے اُس میں [illegible] کا غیر معمولی عمل دخل ہے کوئی اجارہ کوئی زرِ پیشگی، کوئی رہن، کوئی ہینڈ نوٹ غرض قرض کی کسی قسم کا کاغذ اس مروّجہ قانون کے مطابق بلا انٹرسٹ جائز ہی نہیں ہوتا۔ پھر اگر اس پر مسلمانوں کا عمل درآمد نہ ہو تو اُن کا سارا نظامِ معاشرت ہی درہم برہم ہو جائے، اُن کا کوئی معاملہ ہی نہیں ہو سکتا۔ خود اُن کا اس کا بھی معاملہ نہیں ہو سکتا کیونکہ غیر قانونی کاغذ لکھوا کے نہ وہ کسی کو قرض دے کر وصول کر سکتے ہیں نہ اُن کو کوئی قرض دے کے وصول کر سکتا ہے اور قرآن اس کا بھی حامی نہیں کہ جہاں قرآنی نظام رائج نہ ہو وہاں کے مسلمان مروجہ ملکی قانون سے بغاوت کریں۔ لہٰذا ہمیں مروجہ ملکی قانون کا احترام اور اُن پر اطمینان سے عمل درآمد کرنا پڑے گا، اسی لئے قرآن نے مسلمانوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔ (۴۱/۲۲)	یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اُنہیں ملک میں اقتدار حاصل ہوگا تو وہ نظام صلوٰۃ قائم کرینگے، زکوٰۃ وصول کرینگے لوگوں کو معروفات پر عمل کرنے کا حکم دینگے اور منکرات سے روک دینگے اور وہ تمام امور کا فیصلہ اللہ کے قانون کے مطابق کرینگے۔

یعنی اگر اسلامی نظام قائم ہوگا تو اُس وقت قوانین ہی ایسے بنائے جائیں گے جس میں معروفات پر عمل درآمد اور منکرات سے بچنے کی گنجائش ہوگی اور سارے احکامِ الٰہی اپنی پوری برکتوں کے ساتھ نافذ العمل ہو سکیں گے۔ اور جب تک یہ نہ ہو مروجہ قانون کا احترام اور اُن ہی پر عمل درآمد کرنا ہوگا اور ظاہر ہے کہ جب کہیں کبھی نظامِ قرآنی قائم ہوگا تو وہ نظام بلا استثناء تمام افرادِ انسانی کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کی کفالت و بہم رسانی کا ذمہ دار ہوگا اور کسی فرد کو ضرورت ہی نہ رہے گی کہ وہ اپنی ضروریاتِ زندگی کے لئے لوگوں سے صدقہ یا اُس کے بھی ناکافی ہونے کی صورت میں قرض لے کہ "ربٰوا" کا سوال پیدا ہو۔ مگر جب تک ایسا نہ ہو مروّجہ ملکی قوانین و نظام ہی پر مسلمانوں کا بھی عمل درآمد ہوگا جس کے لئے قرآن نے حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال پیش کر کے مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے اور معاملہ ختم کر دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن نے نزول کے وقت بھی سارے مروّجہ باطل نظامِ عرب کو بیک جنبش قلم نہیں بدلا تھا بلکہ اعتدال و توازن کے ساتھ بتدریج قوانین الٰہیہ پر عمل درآمد کی مسلمانوں کو ترغیب دی تھی، اور وہاں سے منکرات کا رواج آہستہ آہستہ ہی دور ہوا تھا۔ قطع نظر اس سے میرے نزدیک فاضل مقالہ نگار کے معاملے میں یہ مسئلہ زیرِ غور آتا ہی نہیں کیونکہ وہ انٹرسٹ ایسی "بڑھوتری" ہے ہی نہیں جو کسی حاجت مند کو قرض دے کر اُس سے وصول کی جا رہی ہے یا کی جانے والی ہے اور جسے قرآن نے "نابود" کیا یا ممنوع قرار دیا ہے

بہر کیف! میں نے جو کچھ قرآن سے "ربٰوا" کو سمجھا ہے وہ پیش کر دیا ہے اور اس کے پیشِ نظر مجھے محترم مقالہ نگار کے اس خیال سے پورا پورا اتفاق ہے کہ:

"ہمیں الربوا کو حاجت مندانہ اور صرفی قرضوں تک ہی محدود رکھنا چاہیئے اور صرف گمان کی بنا پر سود کی اور صورتوں کو حرام کر لینے کی تنگی میں نہ پھنس جانا چاہیئے۔"

البتہ مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ ایسا اُس وقت تک ہونا چاہیئے جب تک کہ:

"اس کا ثبوت نہ مل جائے کہ ایامِ جاہلیت میں نفع آور کاموں کے لئے بھی سود پر قرض لیا جاتا تھا۔"

اور نہ میں اس سے ہم خیال ہوں کہ:

"اللہ تعالےٰ نے جو بڑھوتری حرام قرار دی تھی وہ، وہ تھی جس کو اُس وقت کے عرب ربوٰا کہتے تھے۔"

قرآن نہ تو عربوں کی تاریخ کا محتاج ہے کہ جب تک اُن کی تاریخ نہ ملے آیت ربوٰا کا مفہوم سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا اور نہ قرآن محض عربوں کے لئے نازل ہوا تھا کہ اس میں صرف عربوں کے سودی لین دین اور معاملات و اصطلاحات سے ہی بحث ہو۔ البتہ اُنہوں نے جو یہ غیر مشروط نتیجہ نکالا ہے وہ درست ہے کہ:

"اوّل الربوٰا سے وہ سود مراد ہے جو حاجت مندانہ اور صرفی قرضوں پر لیا جاتا ہے اور دوئم قرض کی ان قسموں کے علاوہ اور قسمیں بھی ہیں مثلاً وہ جن کا روپیہ نفع آور کاموں میں لگایا جاتا ہے یا جو گورنمنٹ لیتی ہے اُن کے سود پر قرآنی حرمت عائد نہیں ہوتی۔"

اور اُن کا اپنی حکومت کو یہ مشورہ بھی درست ہے کہ:

"وہ سود جو حاجت مندانہ اور صرفی قرضوں پر لیا جاتا ہے یہ چونکہ حرام ہے اس لئے گورنمنٹ کو ایسا انتظام کرنا چاہیئے کہ ایسے قرض لوگوں کو بغیر سود کے مل جائیں۔"

رہا فاضل مقالہ نگار کی یہ تلاش و جستجو کہ اس بارے میں لوگوں کا کیا خیال ہے؟ سو میری دانست میں لوگوں کا خیال کسی دینی معاملے میں سند و حجت نہیں، اس لئے اس کی کاوش ہی فضول ہے بالخصوص اس لئے کہ بقول قرآن لوگوں کا خیال عام طور سے صحیح نہیں ہوا کرتا:

(۱) وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔ (۳۰/۳۰) — بلکہ اکثریت اُن ہی کی ہے جو کوئی علم نہیں رکھتے۔

(۲) وَلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ۔ (۶/۱۱۲) — بلکہ اکثریت اُن کی ہے جو کچھ نہیں جانتے۔

(۳) مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ۔ (۵۳/۲۸) — اُن کے پاس علم میں سے تو کچھ ہے نہیں، بس وہ تو صرف قیاس پر چلتے ہیں۔

(۴) وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ۔ (۶/۱۱۷) — ملک میں اکثریت تو اُن ہی کی ہے کہ اگر تم اُن کا کہا مان لو تو وہ تمہیں خدا کی راہ سے بھٹکا دینگے کیونکہ وہ تو صرف قیاس کی پیروی کرتے اور محض اٹکل دوڑاتے ہیں۔

لوگوں کا تو خیال ہے کہ کسی کا باپ اپنے باپ کی موجودگی میں مرجائے تو اس جرم میں کہ کیوں اُس کا باپ اپنے باپ سے پہلے مرگیا، وہ دادا کی جائیداد میں وراثت پانے سے محروم ہوجاتا ہے۔ تو کیا اس خیال کو صحیح مان لیا جائیگا؟ لوگوں کا تو کہنا ہے کہ کسی جنگ میں دشمن کے آدمی گرفتار ہوں تو اُن کے مرد غلام بنائے جائیں گے اور عورتیں بلا قید تعداد اور بغیر نکاح مصرفی لونڈیاں بنیں گی، تو کیا اس خیال کو صحت کی سند دے دی جائے گی؟ دراصل دینی معاملات میں دیکھنے کی چیز اور جاننے کا مسئلہ صرف یہ ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالےٰ کا کیا حکم ہے؟ اور یہ صرف قرآن ہی سے معلوم ہوگا کیونکہ خدا کا حکم خدا کی کتاب میں ہے۔ لہٰذا ضرورت قرآن کو دیکھنے کی ہے جس مسئلے میں قرآن جو رہنمائی کرے وہی صحیح ہے چاہے وہ لوگوں کے خیال سے کتنا ہی مختلف نظر آئے۔ اور چونکہ قرآن نے اعمال کی ذمہ داری ہر فرد بشر پر ذاتی طور سے رکھی ہے لہٰذا قرآن کی رہنمائی بھی ہر شخص کے بس کے اندر کی بات ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن میں دیئے ہوئے احکام پر عمل کی ذمہ واری تو ہر فرد پر ذاتی حیثیت سے ہو لیکن رہنما قرآن کا سمجھنا دوسروں کے لئے مخصوص ہو۔ وہ کوئی علمی و فنی کتاب نہیں کہ مصطلحات علم و فن جاننے والے کی محتاج ہو۔ لہٰذا ہر وہ شخص جو خدا سے ڈرے اور خدائی مرضی معلوم کرنا چاہے، اُسے پڑھ کے بخوبی پڑھ اور سمجھ سکتا ہے چاہے وہ ترجمہ ہی سے کیوں نہ ہو۔ کیونکہ خود قرآن کا بڑا حصہ ترجمہ ہی ہے۔ حضرت عیسیٰ کے عہد تک کے سارے اقوال، سارے مکالمے اور ساری دعائیں عربی میں ترجمہ ہیں اصل نہیں۔ لہٰذا ہمیں اپنے تمام مسائل حیات میں صرف قرآن کو خود ہی رہنما بنانا چاہیئے۔ لوگوں کے خیالات کی تلاش اور وہ بھی کسی قطعی فیصلہ پر پہنچنے کے لئے بقول پروفیسر عبدالباری ندوی پروفیسر جامعۂ عثمانیہ بالکل فضول ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"غم و غصہ دونوں زیادہ مسلمانوں کے حال پر آتا ہے جو اس زندہ کتاب پر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں اور پھر زندگی کا راستہ دوسروں سے پوچھتے اور اِدھر اُدھر ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اُن کو تو صرف اس کی ضرورت تھی کہ اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبے میں بس اس ایک کتاب کو بطور ایک زندہ کتاب کے استعمال کرتے۔

کہنے کی بات نہیں مگر آپ سے کہہ دینے کا جی چاہتا ہے کہ میرا تو یہ حال ہوگیا ہے کہ لغت اور زبان کے اعتبار سے معانی سمجھ لینے کے بعد جہاں اور جس مقدار میں اس کلام اللہ کے ساتھ تفسیر وغیرہ کی صورت میں کلام الناس کو شریک کیا، اسی قدر نہیں لیکن زیادہ تر ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ جو روشنی ملی تھی اُس کی جگہ پھر تاریکی چھانے لگی۔"

(مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں صفحہ ۲۵-۲۶)

یہی قرآن کا بھی کہنا ہے کہ کسی بات کو جاننے کے لئے قرآن سے باہر جانے کی کسی کو ضرورت ہی نہیں:

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۔ (۱۷/۸۹)

اور بلاشبہ ہم نے تو تمام بنی نوع انسان کے لئے اس قرآن میں ساری باتیں تفصیل سے بیان کر دی ہیں مگر اکثر لوگ وہی ہیں جو اس حقیقت کا انکار کئے بغیر نہیں رہتے۔

مطبوعات بزمِ اقبال و مجلسِ ترقیِ ادب

مجلۂ اقبال سہ ماہی۔ مدیر۔ ایم۔ ایم۔ شریف۔ بشیر احمد ڈار۔ سالانہ دس روپے۔

صحیفہ سہ ماہی۔ مدیر۔ سید عابد علی عابد۔ سید سجاد رضوی۔ سالانہ دس روپے۔

میٹافزکس آف پرشیا	مصنفہ علامہ اقبال	۵	۰	۰
امیج آف دی وسٹ ان اقبال	مصنفہ مظہر الدین صدیقی	۲	۰	۰
اقبال اینڈ والنٹرزم	مصنفہ بشیر احمد ڈار	۶	۰	۰
فکرِ اقبال	مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	۱۰	۰	۰
ذکرِ اقبال	مصنفہ مولانا عبدالمجید سالک	۵	۰	۰
اقبال اور ملا	مصنفہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم	۰	۱۲	۰
مکاتیبِ اقبال	بنام خان محمد نیاز الدین خان مرحوم	۱	۴	۰
تقاریر یوم اقبال	۱۹۵۲ء	۱	۴	۰
علامہ اقبال	مترجمہ صوفی غلام مصطفٰے تبسم	۱	۸	۰
فلسفۂ اقبال	مرتبہ بزمِ اقبال	۶	۰	۰
اسلام اور تحریک تجدد مصر میں	مترجمہ عبدالمجید سالک	۵	۰	۰
غیب و شہود	مصنفہ سید نذیر نیازی	۳	۴	۰
تعارف جدید سیاسی نظریہ	مترجمہ عبدالمجید سالک و عبدالحی	۲	۱۲	۰
حکمت قرآن	مترجمہ صوفی غلام مصطفٰے تبسم	۱	۰	۰
جمالیات قرآن کی روشنی میں	نصیر احمد	۴	۰	۰
فلسفۂ شریعت اسلام	مترجمہ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ	۵	۰	۰
نظامِ معاشرہ اور اسلام	مترجمہ عبدالمجید سالک و عزیز	۴	۰	۰

ملنے کا پتہ:۔ سکرٹری بزمِ اقبال و مجلسِ ترقیِ ادب۔ نرسنگداس گارڈن۔ لاہور